بسم اللہ الرحمن الرحیم

غلط فہمیوں کا ازالہ

حسام الحرمین کے سلسلے میں ایک سوال کا جواب

از:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ قاسمی
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

شعبۂ آن لائن فتوی ودعوۃ (انٹرنیٹ)
دارالعلوم دیوبند
http://www.darululoom-deoband.com

موضوعِ سخن

حضرات اکابر دیوبندؒ کی زریں تاریخ شاہد عدل ہے کہ ان کا مقصد حیات، دین صحیح کی تفہیم وتشریح واصلاح امت رہا ہے جس کے لیے ان حضرات نے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا، اور بفضلہٖ تعالیٰ ان کے مخلصانہ مجاہدات کی برکات سے نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں مسلمان عقائد حقہ پر قائم ہیں اور اپنے اسلامی تشخص کی حفاظت میں کوشاں رہتے ہیں۔

مگر سوئے اتفاق کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے متبعین نے عرصۂ دراز سے اکابر دیوبند کی ان خدمات پر پانی پھیرنے کے لیے مخالفانہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے، حتی کہ ان کی محققانہ تصانیف وفتاویٰ کی عبارتوں میں کتر بیونت کر کے اور اپنی طرف سے ان کے معانی ومطالب نکال کر کے اکابر دیوبند کی تکفیر کو اپنا محبوب مشغلہ بنا رکھا ہے اسی طرح کی ایک مذموم کوشش مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ۱۳۲۴ھ میں حسام الحرمین کتاب لکھ کی کی تھی۔ اور اس میں خاص طور پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ (م ۱۳۲۳ھ) اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ (م ۱۳۴۶ھ) کو نشانہ بنایا تھا اور عرب علماء کو مغالطہ دیکر کفر کے فتاویٰ حاصل کیے تھے۔

علمائے دیوبند کی جانب سے اکابر رحمہم اللہ کے دفاع میں ان مغالطوں کے ازالوں کی بارہا کوشش کی جا چکی ہے۔ زیر نظر رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک قیمتی کڑی ہے اس رسالہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انتہائی سنجیدہ وہمدردانہ انداز میں غلط فہمیوں کے ازالہ کی بھرپور کوشش فرمائی ہے، جو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں آئے ہوئے ایک استفتاء کے جواب میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا۔ امید ہے کہ یہ رسالہ بریلوی طبقہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق.

محمد عثمان منصورپوری

سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

سوالات

قبلۂ محترم مفتی صاحب بعد ماوجب آنکہ:

مجھے میرے ایک مہربان دوست نے ایک کتاب دی ہے جس کا نام ''حسام الحرمین'' ہے، میں نے اس کا مطالعہ کیا اس میں دارالعلوم کے کئی مشہور علماء کے متعلق ایسی باتیں لکھی ہیں جن کو پڑھ کر میرا خون کھولنے لگا اور میں سمجھا ہوں کہ جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہوگا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوگی اس کا خون کھول ہی جائے گا اور اس کتاب پر بہت سے علمائے عرب کے دستخط ہیں، مکہ اور مدینہ کے علماء نے اس کی تائید کی ہے، آپ برائے خدا میرے سوالات کے جوابات دیں اور یہ بھی بتائیں کہ اگر اس کتاب میں لکھی ہوئی باتیں غلط ہیں تو علمائے عرب نے اس پر دستخط کیوں کیے اور علمائے دیوبند کی طرف سے اس کتاب کا اب تک جواب کیوں نہیں دیا گیا، میں بے چینی سے جواب کا منتظر ہوں۔

سوالات حسب ذیل ھیں:

(۱) سوال:- ''حسام الحرمین'' میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (چشتی نقشبندی سہروردی، قادریؒ) نے تحذیر الناس میں لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم آخری نبی نہیں ہیں اور آپؐ کے زمانے کو سب انبیاء کے اخیر میں تسلیم کرنا عوام (ان پڑھ جاہلوں) کا خیال ہے۔

(۲) سوال:- حسام الحرمین میں ہے کہ ''حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (چشتی نقشبندی، سہروردی، قادری) نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے۔

(۳) سوال:- ''حسام الحرمین'' میں ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی (چشتی، نقشبندی، سہروردی، قادری) نے ''براہین قاطعہ'' میں لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ شیطان کا علم ہے۔

(۴) سوال:- ''حسام الحرمین'' میں ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی

صاحب تھانویؒ (چشتی، نقشبندی، سہروردی، قادری) نے ''حفظ الایمان'' میں لکھا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور کو اور ہر چار پائے کو حاصل ہے۔

ان علماء کی طرف یہ عقیدے منسوب کر کے ان پر ''حسام الحرمین'' میں کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے اور عرب علماء کے اس پر دستخط ہیں۔ کیا واقعی علمائے دیوبند نے ایسا لکھا ہے اور ان کا عقیدہ ہے اصل حقیقت واضح فرمادیں۔ فقط

عبدالحی پرتاپ گڑھی

جــوابات

مکرم ومحترم!

زید مجدکم

سلام مسنون، نیاز مشحون

گرامی نامہ دارالافتاء ہوتا ہوا بندہ کے پاس پہنچا، مسائل چوں کہ مسلک سے متعلق تھے جن کی ذمہ داری اصولاً احقر پر عائد ہوتی ہے اس لیے مناسب سمجھا کہ اس کے بارے میں احقر ہی چند سطور لکھ کر خدمتِ گرامی میں ارسال کرے۔

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ۱۳۲۴ھ میں یہ کتاب ''حسام الحرمین''، لکھی اور اسے لے کر عرب تشریف لے گئے، وہاں کے علماء کو ''تحذیر الناس، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، حفظ الایمان'' کا نام لے کر بتایا کہ یہ فلاں فلاں حضرات کی تصانیف ہیں اور ان میں یہ مسائل درج ہیں (وہی جو آپ نے اس خط میں بطورِ سوال تحریر فرمائے ہیں) اور ان کی عبارات کو اپنے انداز میں بیان کر کے وہاں کے علماء کو غلط مطلب سمجھایا اور یہ کہ ان کی وجہ سے ہندوستان میں گمراہی پھیل رہی ہے، اب ہند کے مسلمانوں کا سنبھلنا اور دین برحق پر قائم رہنا اس پر موقوف ہے کہ آپ بھی ان کی تکفیر کریں تا کہ پھر ان کی بات کوئی نہ سنے، علمائے

عرب اردو نہیں جانتے تھے اس لیے اصل کتابوں کو جو اردو میں تھیں خود سمجھ نہیں سکتے تھے، جو کچھ مطلب مولانا نے بتایا اس پر اعتماد کیا اور دستخط کر دئے اور اعلیٰ حضرت نے اس کتاب کو چھپوا کر شائع کر دیا جس سے زبردست فتنہ برپا ہوا۔ ہندوستان کے بعض علماء سے جب علمائے حرمین کی ملاقات ہوئی اور اس کتاب کا تذکرہ ہوا تو انھیں پتہ چلا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نے غلط مطلب بتلا کر اور بقول ان کے دھوکہ دے کر عبارات اور ان کے مفہوم میں خیانت کی اور علمائے دیوبند کی طرف ایسی باتیں عقیدہ کے طور پر منسوب کی ہیں، جو ان حضرات کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھیں اس پر علمائے حرمین بہت نادم ہوئے کہ افسوس! دھوکہ دے کر ہم سے ایسے حضرات کے کفر پر دستخط کرائے جو بڑے محقق ہی نہیں بلکہ وقت کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور سلاسلِ اولیاء اللہ، چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی سے منسلک ہیں، صاحبِ ارشاد و تلقین ہیں اور ساتھ ہی پورے طور پر متبع سنت ہیں، اس کے بعد عرب سے ان مسائل کی تحقیق کے لیے مستقل سوالات آئے کہ کیا علمائے دیوبند اور ان حضرات نے ایسا لکھا ہے؟ اور آپ حضرات کا عقیدہ کیا ہے؟

ان کے جوابات یہاں سے عربی میں لکھ کر روانہ کیے گئے جن پر ہندوستان کے اونچے طبقہ کے چوبیس علماء کے دستخط ہیں، عرب پہنچنے کے بعد ان جوابات کو دیکھ کر ان کی تائید و تصدیق فرمائی اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، طرابلس، دمشق، بخارا، تونس، الجزائر، نابلس، وغیرہ کے چھیالیس علماء نے دستخط کیے جن میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سب شریک ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مسلک کے بلند پایہ مفتی اور بلند پایہ عالم ہیں، بعض خود حرم شریف کے اعلیٰ مدرسین بھی ہیں۔

ان سوالات و جوابات کے مجموعہ کا نام ''التّصدیقات لدفع التّلبیسات'' ہے، جن علمائے عرب نے ان جوابات کو دیکھا اور وہ پہلے ''حسام الحَرَمین'' پر ناواقفیت کی بناء پر دستخط کر چکے تھے انھوں نے اپنے دستخط سے رجوع کیا اور اعلان کیا کہ ہم کو دھوکہ دے کر ''اعلیٰ حضرت'' بریلوی نے دستخط کرائے، چوں کہ یہ کتاب ''حسام الحرمین'' ہندوستان آچکی تھی اور

چھپ کر شائع ہو چکی تھی، اس لیے علمائے حرمین کا اپنے دستخط سے زبانی رجوع کر لینا کافی نہیں تھا اور نہ ہندوستان والوں کو عمومی طور پر اس کا علم ہو سکتا تھا؛ اس لیے ''علمائے مدینہ منورہ'' نے مستقل رسائل بھی اس ذیل میں تصنیف فرمائے، ایک رسالہ کا نام ''غایۃ المعمول'' ہے، اس میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی اور ان کے عقائد باطلہ کی پورے دلائل کے ساتھ زبردست تردید کی گئی ہے اور ان کی تلبیس کاری کا پردہ چاک کر کے حقیقتِ حال واضح کی گئی ہے۔ دوسرے رسالہ کا نام ''تثقیف الکلام'' ہے تیسرے رسالہ کا نام ''رجوع المذنبین علی رؤس الشیاطین'' ہے۔

عوام کے نفع کے لیے ''التصدیقات لدفع التّلبیسات'' کا مستقل اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا ہے جس کا نام ''عقائد علمائے دیوبند'' ہے؛ ان تمام مسائل کی ان میں پوری وضاحت موجود ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی نے ''حسام الحرمین'' پر کس طرح علمائے حرمین کے دستخط کرائے؟ نیز اس میں لکھے ہوئے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟ اگر بالتفصیل مطلوب ہوں تو ''الشھاب الثّاقب علی المستشرق الکاذب'' کا مطالعہ کر لیا جائے۔ اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہو کہ اکابر کی عبارات میں کس طرح خیانت وتحریف کی گئی ہے تو وہ ''السحاب المدرار فی توضیح الاخیار'' دیکھے، اس کتاب میں صاحبِ براہینِ قاطعہ، اور حفظ الایمان سے براہ راست ان کی عبارات کے متعلق خطوط لکھ کر دریافت کیا گیا اور خود ان حضرات نے ان کے جوابات تحریر فرمائے یہ تمام خطوط مع جوابات اس میں شائع کر دیے گئے ہیں۔

حفظ الایمان کی شرح خود اس کے مصنف حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے تحریر فرمائی اس کا نام ''بسط البنان'' ہے پھر ایک اور شرح تحریر فرمائی ہے جس کا نام ''توضیح البیان'' ہے پھر مزید ایک اور شرح تحریر فرمائی ہے جس کا نام ''تکمیل العرفان'' ہے۔

نیز اکابر دیوبند کی عبارات اور ان تمام مسائل سے متعلق ایک مستقل کتاب شائع کی جا چکی ہے جس کا نام ''الجنة لاهل السنة'' ہے، علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت بریلوی اور حضرت تھانویؒ سے متعلق کئی کتابیں راہِ سنت، رضا خانی مذہب، اعلیٰ حضرت کا دین و مذہب، تکفیری افسانے وغیرہ شائع ہو چکی ہیں جن میں ان تمام مسائل سے متعلق شکوک وشبہات کے شافی جوابات اور نفسِ مسائل سے متعلق واضح بیانات موجود ہیں، تعجب ہے کہ جناب کی نظر ان میں سے کسی ایک کتاب پر بھی نہیں پڑی جو کافی عرصہ سے منظر عام پر آئی ہوئی ہیں، جناب کے جس مہربان دوست نے آپ کو ''حسام الحرمین'' عنایت فرمائی ہے اگر وہ ان کتابوں کی نشاندہی فرمادیتے تو آپ کو ان سوالات کی زحمت نہ ہوتی اور جناب کے ذہن میں یہ خلجان نہ گزرتا اور خون کھولنے کی نوبت نہ آتی کہ علمائے دیوبند کی طرف سے اس کا کوئی جوابِ تردیدی نہیں دیا گیا اور ''حسام الحرمین'' میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ بہرحال اگر یہ کتابیں جناب کی نظر سے نہیں گذریں تو میں ان کا خلاصہ عرض کیے دیتا ہوں تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی جناب کے سامنے آجائے اور آپ کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ جناب کے سوالات کے سلسلے میں حسبِ ذیل جوابات امید ہے کہ انشاءاللہ شافی اور کافی ثابت ہوں گے۔

(۱) جواب:

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ''تحذیر الناس'' میں مسئلہ ختم نبوت پر عالمانہ وحکیمانہ تقریر فرمائی جو تقریباً چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، قرآن کریم میں خاتم النّبیین آیا ہے؛ اس کی تشریح کرتے ہوئے ختمِ نبوت کے تین درجے لکھے ہیں ایک ختم نبوت زمانی (جس کو عام طور پر سبھی جانتے ہیں)، دوسرے ختم نبوت مکانی کہ اس کرۂ زمین کے لحاظ سے بھی آپ ﷺ خاتم ہیں کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا۔ تیسرا ختم نبوت مرتبی کہ آپ ﷺ ذاتی کمالات کے لحاظ سے بھی خاتم ہیں کہ ان میں نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کا کوئی ہمسر نہیں بلکہ سارے انبیاء کی نبوت آپ کی نبوت کا فیض ہے۔

حضرت مولانا نے تینوں درجوں کے اعتبار سے حضرت نبی اکرم ﷺ کو خاتم

النّبیین ثابت کیا ہے یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور مرتبہ کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ آخری نبی ہیں کہ اس زمین پر آپ ﷺ نبی ہیں کہ یہ مرتبۂ ختمِ نبوت اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا اور اس پر فقہی اور عقلی دلائل قائم فرمائے ہیں اور واضح کیا ہے کہ جو آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ اسلام سے خارج اور قطعی کافر ہے؛ اس لئے کہ قرآنِ عزیز کی آیت ''خاتم النبیین '' کا اور حدیث شریف ''لا نبیّ بعدی ''(میرے بعد کوئی نبی نہیں) کا منکر ہے، دراں حال کہ یہ حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جیسے کہ ظہر کی نماز فرض ہے اور اس کی چار رکعت کا ثبوت حدیث شریف سے ہے، جو معنی کے اعتبار سے متواتر ہے، جس طرح اس کا منکر ہے وہ بھی کافر ہے''تحذیر الناس ''بغور مطالعہ فرمائیں۔

اس دعوے پر جن حضرات نے اشکالات کیے ان کے جواب میں حضرت مولاناؒ نے ایک دوسرا رسالہ بھی تحریر فرمایا جس کا نام ''مناظرۂ عجیبہ'' ہے یہ رسالہ درحقیقت ''تحذیر الناس'' کے لئے بمنزلہ شرح کے ہے اس کے صفحہ ۳ پر حضرتؒ فرماتے ہیں: ''حضرت خاتم المرسلین ﷺ کی نبوتِ خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے''۔ صفحہ ۳۷ پر یہ لکھا ہے کہ: ''خاتمیتِ زمانی کی میں نے تو توجیہ وتائید کی ہے(معاذ اللہ) تغلیط نہیں کی''۔

پھر اسی صفحہ پر چار سطر کے بعد صاف صاف خاتمیتِ مرتبی، خاتمیتِ زمانی، خاتمیتِ مکانی، تینوں کو حضرت رسول اکرم ﷺ کے لیے ثابت کیا ہے۔ صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے کہ: ''خاتمیتِ زمانی اپنا دین وایمان ہے''۔ صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے کہ: ''اس سے بھی بڑھ کر لیجیے(صفحہ نہم سطر دہم سے لے کر صفحہ یازدہم کی سطر ہفتم تک تحذیر الناس میں) وہ تقریر تحریر فرمائی ہے جس سے خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی اور خاتمیت مرتبی تینوں مرتبے آیت خاتم النّبیین سے بدلالتِ مطابقی ثابت ہوجائیں''۔ پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ: ''حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے (ہی نہیں کہ) مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجائش انکار نہ چھوڑی''۔

ان تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ حضرت رسول مقبول صلی

اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین (آخری نبی) نہیں مانتے؛ کتنا صریح بہتان اور ظلمِ عظیم ہے اور اس بہتان کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ دینا ظلم بر ظلم اور آخرت کے لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے، جس کی فکر ''اعلیٰ حضرت'' کو سب سے زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ آخر انھیں بھی تو حق تعالیٰ کے سامنے ایک دن پیش ہونا ہے اور اس کی جواب دہی فرمانی ہے، ان کی نظر سے حدیثِ نبوی کا یہ مضمون بھی تو گذرا ہوگا کہ جو شخص کسی کو کافر کہے اور وہ واقعۃً کافر نہ ہو، یعنی شرعی دلائل سے اس کا کفر ثابت نہ ہو تو یہ کفر خود اسی پر لوٹ کر آتا ہے جس نے کافر کہا ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں ''عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرمى رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر الا ارتدت عليه ان لم يكم صاحبه كذلك'' (رواہ البخاری، مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۱)

اور پھر ایسا بے بنیاد فتویٰ دینے کی وجہ سے جو مخلوق اس فتوے کو صحیح سمجھ کر گمراہ ہوگی اس کی ذمہ داری بھی آخر کار انھیں کے سر آتی ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی بلند پایہ شخصیت کا جہاں تک تعلق ہے سب جانتے ہیں کہ حضرت ممدوح حدیث شریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے دست مبارک پر بیعت پر چاروں خانوادوں (چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی) میں مجازِ طریقت ہیں۔ آپ نے اپنے شیخ کی رہنمائی میں گذشتہ صدی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے جہاد فرمایا اور اس کے بعد ہمیشہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ قلم سے جہاد فرماتے رہے۔

اس دوران مشرق و مغرب میں آپ کا فیض پھیلا اور دارالعلوم دیوبند سے ہزارہا علماء، مشائخ طریقت، اربابِ تدریس و افتاء اور مجاہد پیدا ہوئے اور بالآخر قادیانی فرقہ نے جب ختم نبوت کا انکار کیا تو ان کے تلامذہ و متوسلین آگے بڑھے اور منکرین ختم نبوت کے ہر طرف سے راستے بند کیے۔

نیز آج بھی ہندو پاکستان میں ختم نبوت کے عنوان سے انھیں کی جماعت منکرین ختم

نبوت، منکرین حدیث اور منکرین قرآن سے جنگ آزما ہے، پھر بھی حیرت ہے کہ وہ منکرین ختم نبوت کہے جائیں۔

۱۲۹۷ھ میں وفات پائی اور آج بھی اہل دل حضرات آپ کی قبر مبارک سے فیض حاصل کرتے ہیں اور خاص انشراح وسکون لے کر واپس ہوتے ہیں۔

(۲) جواب:

حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے فتاویٰ تین حصوں میں چھپے ہوئے ہیں اور کئی بار چھپ چکے ہیں اور ان سب فتاویٰ کی تبویب کے بعد یکجا کر کے ''فتاویٰ رشیدیہ'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے، جناب ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اس میں ذیل کا فتویٰ مندرجہ ذیل سوال پر دیا گیا ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ موصوف بصفتِ کذب ہے یا نہیں؟ اور خدائے تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدائے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟

جواب: ذاتِ پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک ومنزہ ہے اس سے کہ اس کو متصف بصفتِ کذب کیا جائے (معاذ اللہ) اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبۂ کذب کا نہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعا کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث و اجماع امت کا ہے۔ وہ ہرگز مومن نہیں، تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔
(فتاویٰ رشیدیہ ص: ۹۰)

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ جہنم میں جائے گا وہ اس کو وہ ضرور جہنم میں بھیجے گا مگر اس کو اس بات کی بھی قدرت ہے کہ جنت میں بھیج دے مگر وہ عاجز نہیں کہ جہنم میں بھیجنے پر مجبور ہو جائے، یہ مسئلہ اِسی طرح قرآن کریم سے ثابت ہے، یہی علمائے امت کا عقیدہ ہے۔ تفسیر بیضاوی کی

عبارت میں حضرت مولاناؒ نے نقل فرمائی ہے، علمائے مکہ مکرمہ نے بھی اس کو صحیح فرمایا ہے، حضرت حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے بھی اس کو صحیح فرمایا ہے، اور اس کے لیے آیات واحادیث سے ثبوت پیش کیا ہے، یہ سب فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہے۔

''اعلیٰ حضرت بریلوی'' دلائل کی روشنی میں ان سچی باتوں کو جھٹلا نہ سکتے تھے، انھوں نے البتہ اس ''وسعتِ قدرت'' کے عنوان کو جھوٹ بولنے کا عنوان دے کر یہ تشہیر کی کہ حضرت گنگوہیؒ معاذ اللہ خدا کے جھوٹ بولنے کے قائل ہیں (نعوذ باللہ منہ) تاکہ عوام کو اس کے خلاف مشتعل کرسکیں۔ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ پر بہتان لگادیا، حضرت گنگوہیؒ کے سامنے جب یہ بہتان طرازی کا معاملہ آیا تو حضرتؒ نے اس افترا سے اپنی تبرّی کرتے ہوئے لکھا جو فتاویٰ رشیدیہ (ص:۸۴) میں ہے: ''اور یہی مسئلہ مبحوث اس وقت بھی ہے، بندہ کے جملہ احباب یہی کہتے ہیں اس کو اعداء نے دوسری طرح پر بیان کیا ہوگا''۔

(۳) جـــواب:

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (انبیٹھوی) سہارنپوریؒ پر مبتدعین کا یہ اعتراض کہ انہوں نے اپنی کتاب ''براہین قاطعہ'' میں لکھا ہے کہ شیطان کا علم حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے علم سے زیادہ ہے؟ یہ سراسر افترا و بہتان ہے، حقیقت یہ ہے کہ مجلسِ میلاد شریف میں جو لوگ قیام کرتے ہیں ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ قیام کس مقصد (کس کی تعظیم) کے لئے ہے انہوں نے جواب دیا کہ ایسی مجلس میں رسولِ اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں۔

پھر ان سے کہا گیا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کا ثبوت کیا ہے؟ کیا آقائے نامدار فخر کائنات ﷺ نے خود یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی مجلسِ میلاد منعقد ہوتی ہے میں اس میں جاتا ہوں، اگر ایسی کوئی حدیث پاک ہو تو حوالہ دیا جائے، سند بتائی جائے ورنہ ایک غلط بات (یعنی مجلس میلاد میں تشریف آوری) کو حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب کرنا شریعت پر اضافہ اور ذاتِ مقدسہ ﷺ پر بہتان ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے ''مَن كَذِبَ عَلَيَّ متعمِّداً فليتبوَّا مَقعدَه منَ

النَّارِ ''جوشخص جان بوجھ کر مجھ پر بہتان باندھےاس کا ٹھکانہ جہنم ہے لہذا ایسی بے اصل بات سے توبہ کی جانی چاہئے۔

نیز اگر تشریف آوری مان بھی لی جائے تو ایک وقت میں خدا جانے کس کس جگہ مجلس ہورہی ہوگی ،تو حضور ﷺ کہاں کہاں تشریف لے جاتے ہوں گے، وہ لوگ (رضا خانی حضرات) حدیث شریف تو پیش نہ کر سکے، کیوں کہ اس مضمون کی کوئی حدیث ہی موجود نہیں، البتہ دوسری بات کا جواب بھی دیا تو ایسا کہ کوئی سمجھ دار بلکہ دیندار آدمی ایسا جواب نہیں دے سکتا ، بلکہ جس کو حضرت اقدس ﷺ سے تھوڑا سا بھی تعلق ہوگا اس کا ذہن اس جواب کے تصور سے بھی لرزاں ہوجائے گا جسے لکھتے ہوئے بھی قلم کانپتا اور دل تھراتا ہے، جواب یہ تھا کہ:
''شیطان تو مجلس میں پہونچ جاتا ہے کیا حضرت رسولِ مقبول ﷺ نہیں پہنچ سکتے''۔

بجائے حدیثِ پاک سے ثبوت پیش کرنے کے ان حضرات نے معاذ اللہ حضور ﷺ کو شیطان پر قیاس کرکے جان چھڑائی کہ جب جب اور جہاں جہاں شیطان پہنچ جاتا ہے، گویا اسی طرح حضور اکرم ﷺ بھی پہنچ جاتے ہیں''استغفر الله''۔جس کے سینے میں غیرت مند دل ہوگا ایسی بے ہنگم اور توہین رسول ؐ کی بات کو کیسے برداشت کرسکے گا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے جو کچھ اس کا جواب دیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان تو گمراہ کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ ہر گندی جگہ، شراب خانہ میں، فحش خانہ میں، بت خانہ میں پہنچ جاتا ہے، بیت الخلا میں ہر آدمی کے ساتھ جاتا ہے، البتہ ''اللّٰھُمَّ اِنّی اعوذبكَ منَ الخبثِ والخبائث ''پڑھ کر جانے والا اس کے شر سے محفوظ رہتا ہے، انسان کی رگوں میں خون کی طرح سرایت کرجاتا ہے، سمندر پر اپنا تخت بچھا کر بیٹھتا ہے اور اس کے لشکر کے کارندے آ آ کر اپنی کارگذاری سناتے ہیں، دوسرے عالم میں جہنم میں جائیگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں وہیں رہیگا وغیرہ وغیرہ۔

ان جملہ امور کے لئے احادیث موجود ہیں، لیکن اس ناپاک قیاس کے سوا حضرت رسولِ خدا ﷺ کے لئے ہر مجلس میں تشریف لے جانے کیلئے بھی کوئی حدیث موجود ہے؟

جس کا خلاصہ ہوا کہ جہاں جہاں شیطان کا جانا احادیث میں موجود ہے، شیطان پر قیاس کر کے حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے لیے وہاں آنا جانا ثابت کرنا افترا علی الرسول کی بھی انتہائی گھناؤنی صورت ہے، اللہ پاک اس بیہودہ عقیدہ سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔

تعجب ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے حضور ﷺ کی جگہ جگہ حاضری کی یہ انوکھی دلیل کہاں سے فراہم کی؟ عقیدہ کے لئے اول تو نصوصِ قطعیہ کی ضرورت ہے وہ نہ ہو تو کم سے کم کوئی صریح حدیث تو ہو اور وہ بھی نہ ہو تو قیاسِ تمثیلی کسی مثلِ اعلی کے ساتھ تو ہو؛ مولانا کو قیاس کے لئے بھی ملا تو شیطان ہی ملا ''نعوذ بالله منه'' سوائے اس کے کہ اس پر '' إنّا لله وإنا إليه راجعون '' پڑھا جائے اور کیا عرض کیا جائے۔

جہاں تک قیام کے مسئلے کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک حرکتِ وجدی ہے، جو صاحبِ حال سے سرزد ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ صاحبِ حال اس میں معذور بھی ہے، جس پر کوئی نکیر و ملامت نہیں کی جاسکتی، لیکن وہ قانون عام نہیں کہ بطورِ حکم عام، اسے انجام دیا جائے جب وہ مسئلہ شرعی کے طور پر پیش کیا جائے گا تو حجتِ شرعیہ کا مطالبہ قدرتی طور پر کیا جانا ناگزیر ہے، سو اس بارہ میں جہاں تک حجت و قانون کا تعلق ہے وہ ہمیں یہ ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے اسے نہ پسند فرمایا، نہ اس کی اجازت دی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ تھا، مگر ان کا حال یہ تھا کہ جب آپ ﷺ کو دیکھتے تو قیام نہیں کرتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ قیام کرنے سے آپ کو ناگواری ہوتی ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''عن انسؓ لم يكن شخص احبَّ إليهم من رسولِ اللهِ ﷺ وكانوا إذا رأَوه لم يقوموا لما يعلمونَ من كراهيته لذلكَ'' (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

صحابہ کرامؓ کو آپ کی ناگواری کا علم اس طرح ہوا کہ ایک دفعہ صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ سے نکل کر لاٹھی پر سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے، آپؐ کو دیکھتے ہی جذبہ محبت میں سب کھڑے ہو گئے، اس پر آپؐ نے قیام سے منع فرمایا کہ یہ قیامِ تعظیمی تو عجمیوں کا

طریقہ ہے، تم اس کو اختیار مت کرو، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: عن ابی امامةؓ قال خرج رسول اللہ ﷺ متّکئا علی عصاً فقمناله فقال لاتقوموا لی کما تقوم الاعاجم یعظّم بعضهم بعضا'' (رواہ ابوداد)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لئے قیام کریں وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لے، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''عن معاویةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من سرّہ ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوّا مقعدہ من النار ''
(رواہ الترمذی وأبوداؤد)

قیام سے متعلق یہ تینوں حدیثیں مشکوۃ شریف ص (۴۰۳) میں ہیں؛ یہ ساری بحث قیامِ مروجہ کے بارے میں ہے، اندازہ فرمایا جائے کہ جس چیز کو حضور ﷺ نے اپنی مجلس پاک میں گوارہ نہیں فرمایا، کیا وفات کے بعد آپ حضرات کی مجالس میں اس مزعومہ تشریف آوری پر اسے گوارا فرماتے ؟

لیکن اگر ایسی کوئی روایت ہوتی تو وہ بہرحال سرآنکھوں پر رکھی جاتی، مگر جب ہے ہی نہیں تو فرضیات اور قیاسات، اور وہ بھی نامناسب اور مکروہ قیاسات پر آخر اس کی اجازت دینے کا اور وہ بھی بطور عقیدہ کے، کسی کو کیا حق ہے؟

(۴) جــــواب:

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز سے کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ (زید) کہتا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں (ا) بالذات اس معنی کر عالم الغیب خدا کے سوا کوئی نہیں (۲) بواسطہ اس معنی کر رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تھے۔ زید کا عقیدہ اور استدلال کیسا ہے؟ زید کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح وحی کا آنا، میدانِ حشر میں شفاعت کرنا، حوضِ کوثر پر پانی پلانا وغیرہ، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ نبوت میں سے ہے، کیا اسی طرح عالم الغیب ہونا بھی کمالات نبوت میں سے ہے؟
اس کا جواب حضرت مولانا تھانویؒ نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کتب

شریعت میں ''عالم الغیب'' بولا جاتا ہے تو اس سے مراد عالم الغیب بلا واسطہ ہی ہوتا ہے؛ اور زید کے نزدیک بھی ''عالم الغیب'' بلا واسطہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے؛ لہٰذا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اگر لفظِ ''عالم الغیب'' بولا جائے گا تو زید کی نیت کا تو کسی کو علم نہیں ہوگا، دیکھنے والے اور سننے والے اور پڑھنے والے، یہی سمجھیں گے کہ اس سے مراد ''عالم الغیب'' بلا واسطہ ہے؛ تو جو لفظ اور صفت اللہ کے لئے مخصوص ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ماننے سے شرک کا شبہ ہوگا؛ لہٰذا یہ لفظ نہیں بولنا چاہئے۔

اس کے بعد مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: زید جو عالم الغیب کہتا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر مانتا ہے، جس طرح کوئی ذرہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر رہتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے (فرق صرف بواسطہ اور بلا واسطہ کا ہے) تب تو زید کا ایسا کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ حدیث شریف کے بھی مخالف ہے اور واقعات کے بھی خلاف ہے۔ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ اور اسی (اللہ ہی) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اللہ کے سوا، انھیں کوئی نہیں جانتا۔

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ آپؐ فرما دیجئے کہ زمین اور آسمان میں رہنے والوں میں سے خدا کے سوا غیب نہیں جانتا۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف امر ہے کہ: اعلان فرما دیجئے کہ مجھے علم غیب نہیں: ﴿قُلْ لَّا أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ بئر معونہ، تابیر نخل وغیرہ واقعاتِ حدیثی سے بھی صاف ثابت ہے کہ کتنی چیزوں کا علم حضورؐ سے مخفی رہا ہے۔ واقعۂ ''افک'' میں کتنی پریشانی اٹھانی پڑی، جب اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی، تبھی بات صاف ہوکر پریشانی دفع ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے، نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حوضِ کوثر پر ہوں گا، میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے، میں ان کو دیکھ کر پہچان لوں گا پھر وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائیں گے یعنی بجائے حوضِ کوثر پر لانے کے ان کو جہنم کی طرف لے جائیں گے

،تب میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں، وہاں سے جواب ملے گا کہ آپ کو علم نہیں کہ آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا بدعات ایجاد کیں؟ اس پر ارشاد فرمائیں گے کہ ان کو جہنم میں دھکیل دو۔

(حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ) یہ خرابی تو اس وقت ہے کہ زید ''عالم الغیب'' سے یہ مراد لے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا پورا علمِ غیب تھا اور اگر زید کی نیت یہ ہے کہ علمِ غیب پورا پورا نہیں تھا یعنی بعض چیزوں کا علم تھا بعض کا نہیں تھا، اس بناء پر ''عالم الغیب'' کہتا ہے تو یہ مراد لے کر بھی ''عالم الغیب'' کہنا جائز نہیں؛ اس واسطے کہ بعض چیزوں کا علم ہونا بعض کا نہ ہونا یہ کمالاتِ نبوت میں سے نہیں، کیوں کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کا دوسرے کو علم نہیں ہوتا؛ پس دوسرے کے اعتبار سے وہ علم غیب ہے۔ زید، عمرو، بکر بلکہ مومن، کافر بلکہ جانوروں کو بھی کسی ایسی چیز کا علم ہوتا ہے جو دوسروں کو نہیں، بعض جوگی کشف کے ذریعہ کوئی بات معلوم کر لیتے ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں۔

ہدہد کا واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اس نے آکر بلقیسؔ کی سلطنت اور تخت کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی جو ان کے اعتبار سے غیب کی خبر تھی اور ان کے علم میں نہ تھی۔ ڈاک خانے کی اصطلاحات کا جس قدر علم پوسٹ مین اور ڈاک خانے کے ملازمین کو حاصل ہوتا ہے وہ ایک بڑے سے بڑے بیرسٹر کو نہیں ہوتا، تو کیا زید ان سب کو بھی اس جزئی علمِ غیب کی وجہ سے ''عالم الغیب'' کہے گا؟ ایسا علم کمالاتِ نبوت میں سے نہیں جس علم کے لیے ایمان بھی شرط نہ ہو بلکہ کافر کو بھی حاصل ہوسکتا ہے اور جس کے لیے انسانیت بھی شرط نہ ہو بلکہ جانوروں کو بھی حاصل ہوسکتا ہو؛ جیسا کہ قرآن کریم شاہد ہے، وہ کمالاتِ نبوت میں سے کیسے ہوسکتا ہے؟ اور نہ ہی اس کو افضلیت اور مقبولیت کا معیار قرار دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ خود ''اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب'' نے بھی اپنے ملفوظ حصہ چہارم ص ۱۰۰، ۱۱۱ر میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لئے ہوسکتی ہے انسان کے لیے کمال نہیں؛ جو غیر مسلم کے لیے ہوسکتی ہے وہ مسلم کے لیے کمال نہیں۔ کم سے کم اسی ملفوظ کی روشنی میں غور کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام منصبِ نبوت پر فائز ہیں، ان کے سامنے ہدہدؔ کی کوئی حیثیت ہی نہیں، وہ

بیچارہ علمی کمالاتِ نبوت میں سے کسی کمال کا تو کیا مقابلہ کرسکتا، انسانیت میں سامنے نہیں آسکتا؛ حالانکہ اسے ایک ایسے جزئیہ کا علم ہوگیا جو سلیمان علیہ السلام کو اسی کے بتانے سے ہوا۔لہٰذا زید کا بعض علمِ غیب مراد لے کر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا درست نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں زید حضرتِ فخر دو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی چیز ثابت کرتا ہے جو درحقیقت کمالاتِ نبوت میں سے نہیں، بلکہ اس کے لیے ایمان یا انسانیت بھی شرط نہیں ،تو کیا اس صورت میں زید اپنے عقیدۂ ''علم غیب'' کی وجہ سے حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب نہیں ہوگا، درآں حالے کہ وہ اپنے ذہن میں اسے مدح ومنقبت خیال کیے ہوئے ہے ؛پس ایک صورت میں (علمِ غیب کلی مان کر) تو اس نے حضورؐ کو خدائے تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے برابر قرار دیدیا، جوشرک ہے۔اور دوسری صورت میں وہ (علم غیب جزئی مان کر) حضرت فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا نہیں بلکہ تنقیص وتوہین کررہا ہے؛ لہٰذا زید کو ایسے عقیدے اور قول سے توبہ لازم ہے۔

علاوہ ازیں اگر زید حضوؐر کو بایں معنی عالم الغیب کہے اور تاویل کرے کہ اس سے مراد عالم الغیب بالواسطہ ہے؛ لہٰذا حضورؐ حق تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ہوئے ،تو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے علم غیب بالواسطہ کی نفی بھی صحیح ہوجائے گی اور یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بالواسطہ عالم الغیب نہیں اور حضور بالواسطہ عالم الغیب ہیں تو یہ تاویل بھی رکیک تاویل ہوگی جس سے بات کی غلطی نہیں چھپائی جاسکتی اور نہ ایسی غلط بات کہنے کی کسی کو اجازت دی جاسکتی ہے، کیوں کہ اس صورت میں (قطع نظر اصولی غلط کاری کے) دین ایک کھلونا بن کررہ جائے گا ،کہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت الوہیت کو چاہا کسی تاویل اور واسطہ بلاواسطہ کے فرق سے حضرت رسول اکرم ﷺ کے لئے ثابت کردیا اللہ تعالیٰ سے بالواسطہ کی نفی کردی اور حضورؐ کے لئے وہی صفت بالواسطہ ثابت کردی ۔یہ حاصل ہے حضرت مولانا تھانویؒ کے جواب کا؛ اس میں حضرت مولاناؒ نے کہیں بھی اپنا خود کا یہ عقیدہ بیان نہیں فرمایا کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم حضرت رسول اکرم ﷺ کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل

ہے، بلکہ یہ جو کچھ لازم آیا زید کے عقیدہ پر لازم آیا ہے کہ وہ عالم الغیب مانتا ہے نہ کہ حضرت تھانویؒ کے عقیدہ پر۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ ان تشبیہات کے بارہ میں اپنے رسالہ ''بسط البیان'' صفحہ (۱۰،۱۱) پر فرماتے ہیں۔

میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گذرا۔ میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا۔ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا اشارۃً یہ بات کہے؛ میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور ﷺ کی''۔

پھر حفظ الایمان صفحہ ۹ / میں یہ عبارت بھی موجود ہے کہ: ''نبوت کے لئے جو علوم لازمی وضروری ہیں وہ آپ کو بتمامہا حاصل ہوگئے تھے''۔

اپنی اس عبارت کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے اعلیٰ حضرت بریلوی کے اعتراض و اتہام کا جواب دیا ہے۔ چنانچہ ''حفظ الایمان'' کی شرح ''بسط البنان'' (ص ۱۲) میں اس عبارت کو نقل کرکے فرمایا ہے کہ: ''انصاف شرط ہے، جو شخص اس کو جمیع علوم عالیہ شریفہ متعلقۂ نبوت کا جامع کہہ رہا ہے کیا وہ نعوذ باللہ زید، عمرو، صبی، مجنون اور حیوانات کے علم مماثل آپؐ کے علم کے بتلادے گا؟ کیا زید، عمرو وغیرہ کو یہ علوم حاصل ہیں؟ یہ علوم تو آپ کے مثل دوسرے انبیاء وملائکہ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں''۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عبارت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے علم کے مشابہ معاذ اللہ زید، عمرو، بکر وغیرہ کے علم کو کہا کب گیا ہے؟ کہ اپنے مفروضات سے ان پر بوچھار کی جائے۔ پھر آگے کی سطروں میں تحریر فرمایا ہے: ''اس شق پر جو محذور لازم کیا گیا ہے اس میں غور کرنے سے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ مشابہت کی نفی کی گئی ہے۔ چنانچہ بعض مطلق علوم غیبیہ کے مراد لینے پر تو یہ خرابی بتلائی ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟'' الخ

یعنی اس صورت میں آپؐ کی تخصیص نہ رہے گی؛ بلکہ زید، عمرو، بکر وغیرہ بھی اس صفت میں آپؐ کے شریک ہوجائیں گے۔ حالاں کہ آپؐ کی صفات خاصہ کمالیہ میں آپ کا

کوئی شریک ومشابہ نہیں؛اس لئے یہ شق باطل ہوئی۔الخ

اخیر میں حضرت تھانویؒ نے ان کلمات پر اپنی کتاب کوختم فرمادیا ہے:''میرااور میرے سب بزرگوں کاعقیدہ ہمیشہ سے آپؐ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیة و العملیة ہونے کے باب میں یہ ہے۔

ع بعدازخدابزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی نے آپ کی عبارت کا ایسا مطلب گھڑا ہے جو نہ آپ کا مقصود ہے اور نہ آپ کا عقیدہ۔نہ واقع میں صحیح ہے بلکہ وہ غلط اور کفر ہے اور مخلوق خدا کو وہ مطلب بتا کراعلیٰ حضرت اوران کی ذریات نے گمراہ کیا اور فتنہ برپا کر رکھا ہے اگر آپ اس کے الفاظ اس طرح بدل دیں جس سے مطلب اصلی تو اپنی جگہ پر وہ رہے کیوں کہ وہ بالکل صحیح ہے البتہ اس سے غلط مطلب نکالنے اور گمراہ کرنے کا موقع ہی ختم ہوجائے،تو بہتر ہے۔حضرت مولاناؒ نے ارشاد فرمایا:

''جزاکم اللہ تعالیٰ!بہت ہی اچھی رائے ہے؛کیوں کہ اس کے قبل کوئی واقعی بناء ظاہر نہیں کی گئی تھی؛اس لیے ترمیم کو دلالت علی خلاف المقصود کے اقرار کے لیے مستلزم سمجھا اور اقرار بالکفر کفر ہے اس لیے ترمیم کوضروری تو کیا جائز بھی نہیں سمجھا۔اب سوالِ ہذا میں جو بناء بیان کی گئی ہے ایک امر واقعی ہے لہٰذا قبولاً للمشورة اس کو لفظ''اگر''کے بعد سے''عالم الغیب کہا جائے''تک اس طرح بدلتا ہوں۔اب حفظ الایمان کی اس عبارت کو جو کہ اس سوال کے بالکل شروع ہی میں مذکور ہے،اس طرح پڑھا جاوے''۔

''اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے،مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کوبھی حاصل ہیں تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے الخ۔اور ایسی عبارت بعینہا شرح مواقف کے موقف سادس،مرصد اول،مقصد اول میں فلاسفہ کے جواب میں ہے:''والبعض أی الاطلاع علی البعض لا یختص به ای بالنبیؐ''اوراس کے مثل''مطالع الانظار شرح طوالع الانوار''للبیضاوی میں ہے:''وإن أرادوا به

الاطلاع علیٰ بعضها فلا یکون خاصّة النّبیّ إذ ما من أحد إلا ویجوز أن یطّلع علیٰ بعض الغائبات الخ۔

الغرض جب مصنفؒ نے ۱۳۴۲ھ میں عبارت میں توضیح کرکے جڑ ہی کاٹ دی، تو پھراس پرانی عبارت کو کہ اس میں بھی عقلاء کے لیے ان تحریفات کی گنجائش نہ تھی، مخلوق کے سامنے پیش کرکے مصنّفین سے نفرتیں دلاتے رہنا، نہ مصنف کی تبرّی وتحاشی کو دیکھنا، نہ جوابات دیکھنا، نہ توضیح کردہ عبارت کو دیکھنا آخر دیانت کا کونسا عمل ہے، جسے شب وروز کا مشغلہ بناکر رکھا جائے۔

(۵) **سوال :-**

حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلویؒ کی کتاب مسمی بہ "صراطِ مستقیم" موجود ہے؛ اس کی بھی ایک عبارت نے ذہن کو خلجان میں ڈال دیا ہے، ذہن میں ایک قسم کا تذبذب پیدا ہوگیا ہے کہ واقعی بریلوی لوگ جو کہا کرتے ہیں وہ سچ ہے یا غلط۔ اب میں پریشان ہوں کہ کیا کروں عبارت "صراطِ مستقیم" کی یہ ہے:

"صرفِ ہمت بسوئے شیخ وامثالِ آں از معظمین گو کہ جنابِ رسالت مآب باشند، بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورتِ گاؤ خر خود است کہ خیالِ آں بتعظیم وجلال بسویدائے دلِ انسان می چسپد بخلاف گاؤ خر" (صراطِ مستقیم مطبوعہ مجتبائی ۹۵)۔

یعنی ہمہ تن متوجہ ہوجانا پیر ومرشد یا ان کے مثل بزرگوں کی طرف، گو کہ حضرت رسالت مآبؐ ہوں، اپنے گائے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے، کیونکہ ان کا خیال انسان کے دل میں تعظیم اور بزرگی کے ساتھ آتا ہے، بخلاف گائے اور گدھے کے خیال کے۔

نوٹ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آنا بدتر ہوا گائے اور گدھے کے خیال کے آنے سے؛ تو کیا نماز میں تشہد پڑھا جائے یا نہیں، جب کہ تشہد میں "**السلام علیك ایها النبی**" موجود ہے؛ اس موقع پر کیا کیا جائے، تشہد پڑھا جائے اور

"**السلام عليك ايها النبی**" کو الگ کردیا جائے یا کیا کیا جائے؟ کیوں کہ جب تشہد پڑھا جائے گا تو تعظیم کا خیال فوراً ذہن میں آئیگا؛ جیسا کہ احیاء العلوم ج ا رص ۱۰۷ ر میں حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا کہ پہلے اپنے دل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر کرو اور آپ کی شخصیتِ گرامی کا تصور باندھ کر کہو "**السلام علیك ایها النبی**" کس قدر تضاد ہے۔ امید کہ ہماری دماغی الجھن دور فرمائیں گے۔

جواب:- جو کتاب جس فن میں ہوگی اس میں مجموعی طور پر اسی فن کے اصطلاحی الفاظ ہوں گے اور ان کے وہی معنی لیے جائیں گے جو اس فن میں اس لفظ کے ہوں گے۔ ان الفاظ کو لغوی معنی یا کسی دوسرے فن کے اصطلاحی معنی میں سمجھنے سے مفہوم خبط ہوجائے گا، مثلاً لفظ "موضوع" کا ترجمہ "معنی دار لفظ" ہے جو مقابلے میں "مہمل" (بے معنی لفظ) کے ہے۔ اب اگر اس لفظ "موضوع" کو منطق کی کتاب میں کوئی شخص دیکھے کہ زید قائم میں زید موضوع ہے اور قائم محمول ہے، اور اس کا مطلب سمجھنے لگے معنی دار لفظ؛ تو وہ پریشان ہوگا۔ اسی طرح یہ لفظ فلسفہ میں مستعمل ہو، مثلاً جدار موضوع ہے بیاض کے لیے تو وہاں بھی اس کا مطلب اگر معنی دار لفظ کا لیا جائے گا تو سارا مطلب خبط ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر فنِ حدیث میں لفظ موضوع آئے کہ مثلاً فلاں حدیث موضوع ہے" تو اس کا مطلب اگر معنی دار لفظ لیا جائے گا تو معنی غلط ہی نہیں ہوں گے بلکہ مضحکہ انگیز بن جائیں گے۔

بطور تمہید یہ مقدمہ ذہن نشین رکھئے اور اس کی روشنی میں سمجھئے کہ صراطِ مستقیم "فن تصوف" کی کتاب ہے جس میں تزکیۂ باطن اور اصلاحِ نفس کے طریق بیان کیے گئے ہیں۔ جس شخص پر خیالات و وساوس کا ہجوم رہتا ہے اور وہ ان کو دور کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم نے اس کے لیے ایک علاج تجویز فرمایا ہے اور وہ یہ کہ یہ شخص اپنے دل میں کسی چیز کا تصور اس طرح جمائے کہ دوسری کسی شئ کی اس میں گنجائش نہ رہے ؛ جیسے قدِ آدم آئینہ بازار میں کسی دوکان پر لگا ہوا ہو اور اس میں ہر گزرنے والے کا عکس آتا ہو ؛ کبھی آدمی، کبھی گھوڑا، کبھی موٹر، غرض جو چیز بھی سڑک پر گذرے اس کا عکس آتا ہو اور مالکِ

آئینہ یہ چاہے کہ مختلف چیزوں کا عکس اس میں نہ آئے تو اس کی صورت یہ ہے کہ سڑک کی جانب اس آئینہ کے رخ پر ایک موٹا کپڑا ڈال دیا جائے جو اس کو پوری طرح گھیر لے کہ کسی دوسری چیز کے عکس کی اس میں گنجائش اور جگہ ہی باقی نہ رہے، ٹھیک اسی طرح جب دل میں کسی ایک چیز کا تصور پوری طرح جمالیا جائے کہ دوسری شئ کا تصور اور خیال کی جگہ ہی نہ رہے تو قدرتی طور پر خیالات و وساوس کا سلسلہ بالکل ختم ہوجائے گا، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''صرف ہمت'' کہتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اپنے شیخ طریقت حضرت مولانا سید احمد بریلویؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں یہ صرفِ ہمت حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا جائے تو ظاہر ہے کہ پھر کسی دوسری چیز کی گنجائش طبعًا باقی نہیں رہ سکتی؛ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا دھیان بھی نہیں آسکے گا؛ کیوں کہ ''صرف ہمت'' کا مطلب ہی یہ ہے کہ جس چیز کے لیے ''صرف ہمت'' کیا جارہا ہے وہی چیز پورے قلب کو گھیر لے گی حتیٰ کہ اگر نماز میں ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ کہیں گے تو یہ بھی حضور کے لیے ہوگا۔ رکوع، سجدہ، قعدہ، حتیٰ کہ اذکار: ''**سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلی**'' وغیرہ بھی حضورؐ ہی کے لیے ہوجائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ پوری نماز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوجائے گی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں رہے گی، ورنہ وہ صرفِ ہمت نہ ہوگا۔ حالاں کہ نماز عبادت ہے جو اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ اور جب رکوع، سجدہ، اور ذکر وغیرہ سب ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگئے، جو صرفِ ہمت کے معنیٰ ہیں اور اس صرفِ ہمت کی وجہ سے اللہ کے لیے نہ رہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس بندہ کی یہ نماز مشرکانہ عبادت ہوجائے گی۔ دوسرے یہ کہ عبادت کے واسطے انتہائی محبت اور انتہائی عظمت وجلالت کا قلب میں ہونا ضروری ہے اور سب جانتے ہیں کہ ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کو ایسا ہی تعلق ہے کہ تصورِ مبارک آپؐ کی انتہائی عظمت وجلالت کے ساتھ قلب میں آتا ہے، اس تعلق کے ساتھ جب یہ صرفِ ہمت بسوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا تو ظاہر ہے کہ عظمتِ نبوی تو قلب میں پہلے ہی سے تھی

،صرفِ ہمت کی وجہ سے آپؐ کے سوا ہر ایک کا دھیان قلب سے خارج ہوگیا تو قدرتاً صرفِ ہمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان باقی رہ ہی نہیں سکتا، اس صورت میں یہ پوری عبادت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگئی۔

پس جو نماز صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے قرب کے لیے تھی اور اسی لیے ''معراج المومنین'' تھی۔ اس صرفِ ہمت کی وجہ سے وہ شرک ہوکر ''**بعد عن الحق**'' کا موجب اور موجبِ نار ہوکر رہ گئی، اور اگر بالفرض آدمی کو نماز میں اپنے کھیت، گھوڑے، گدھے، گائے وغیرہ کا خیال آجائے اور وہ اس خیال میں مستغرق بھی ہوجائے تو چوں کہ اسے ان چیزوں کے ساتھ عظمت وجلالت کا تعلق نہیں ہوتا، اس لیے یہاں یہ احتمال ہی نہیں کہ ان اشیاء کے خیال کی وجہ سے یہ نماز ان اشیاء کے لیے ہوجائے گی۔ اور جب کہ انسان ان اشیاء کے تصور سے خود شرمندہ ہوتا ہے کہ افسوس نماز جیسی عبادت میں بھی مجھے ان حقیر وخسیس اشیاء کا خیال آگیا جس سے میری نماز کی حیثیت ہی جاتی رہی تو یہ شرمندگی موضوعِ صلوٰۃ کے منافی نہیں بلکہ ''نفی غیر اللہ'' کے لیے معین ہوگی؛ اس لیے ان اشیاء کے تصور سے نماز میں کوئی ادنیٰ خلل نہیں پڑے گا کہ اس تصور کی حقیقت وسوسے سے زائد نہیں۔ یہ حاصل ہے ''صراطِ مستقیم'' کی عبارت کا۔

پس مولاناؒ حضورؐ کے بارے میں صرفِ ہمت سے روک رہے ہیں نہ کہ خیال وتصور سے۔ پس کہاں ''صرف ہمت'' اور کہاں خیال وتصور؛ اس لیے مولانا شہیدؒ کی طرف یہ منسوب کرنا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خیالِ مبارک قلب میں آنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آنا ''معاذ اللہ'' ان حقیر وذلیل چیزوں کے خیال آجانے سے بدرجہا برا ہے۔ مولانا پر افترا ہے یا انتہائی غلط فہمی پر مبنی ہے جو تصوف کی اس اصطلاح ''صرف ہمت'' کے نہ سمجھنے کی بناء پر ہوئی ہے۔

مولاناؒ کی ذات تو بہت اونچی ذات ہے؛ یہ نظریہ تو کسی ادنیٰ درجہ کے مسلمان بلکہ کسی شریف الطبع غیر مسلم کا بھی نہیں ہوسکتا؛ ورنہ اتنی بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ نماز کو تو سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے۔ جب نماز میں ایک نمازی ''**مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ**

عَلَى الْكُفَّارِ'' پڑھے گا تولامحالہ خیالِ مبارک آئے گا۔ جب وہ ''**وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ**'' پڑھے گا تولامحالہ خیالِ مبارک آئے گا، تشہد میں ''**السّلامُ عَلیك ایها النبی**'' کہے گا اور پھر درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لے گا تو ان میں سے ہر موقعہ پر خیال مبارک ضرور آئے گا۔ اور آ آ کر ایمان کو تازہ کرتا رہے گا؛ اس لیے نام پاک پر خیالِ پاک کا روکنا تو فطرت کے خلاف ہے جس کی جرأت کوئی غبی آدمی بھی نہیں کرسکتا؛ چہ جائے کہ کوئی عالم، اور علماء میں بھی مولانا شہید جیسا ذکی و جامع عالم اور عارف باللہ مبصر؛ اس لیے یہ دعویٰ کرنا کہ مولاناؒ نے نماز میں حضورؐ کے خیال کو منع کردیا ہے، یا خیال مبارک آنے پر نماز کے فساد کا حکم لگایا ہے، یا خیالِ سرکار کو ''معاذ اللہ'' جانوروں کے خیال سے بدتر کہا ہے محض افتراء ہے؛ نہ مولاناؒ نے خیالِ نبویؐ سے منع کیا، نہ اس کو مفسدِ نماز کہا، بلکہ ''صرفِ ہمت'' کو منع کیا ہے۔ جس کی تشریح ابھی بیان کی جاچکی ہے۔

کس قدر جسارت کی بات ہے کہ کسی کے بھی کلام کو اور خصوصاً اہل علم وفضل و اہل اللہ کے کلام کو لفظاً یا معنیً بگاڑ کر عوام کو ان کے خلاف نفرت دلائی جائے اور بدظن بنا کر مشتعل کیا جائے۔ انھیں یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ''**مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہُ بِالْحَرْبِ**'' ترجمہ: جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت کرتا ہے میری طرف سے اس کو اعلانِ جنگ ہے۔ حق تعالیٰ ہدایت دے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین!

موجبِ حیرت یہ ہے کہ ان علماءِ حق نے اپنی عبارتوں سے اپنی مراد بار بار واضح کردی اور کسی نجی گفتگو یا شخصی مراسلت اور خط و کتابت سے نہیں بلکہ مطبوعہ کتابوں اور رسالوں سے اور بصورتِ اعلان و اشتہار اسے منظر عام پر بھی لاتے رہے، ساتھ ہی یہ بھی کھول دیا کہ جو غلط مطلب ان کی عبارتوں سے لیا جارہا ہے وہ کبھی ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آیا، نہ وہ ان کا عقیدہ ہے نہ ان کے بزرگوں کا ہے بلکہ بعض اکابرؒ نے عنوان بھی تبدیل کردیا کہ ابہام توہین یا تحریفِ مضمون کا شائبہ بھی باقی نہ رہے، پھر بھی ان کی عبارتوں کو توڑ موڑ کر ان میں اپنا مطلب ڈالنا اور ڈالتے رہنا اور اس پر مبنی کرکے بار بار تکفیروں کی تجدید کرتے رہنا آخر کس طرح سنجیدہ

قلوب میں جگہ پائے ہوئے ہے، دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مراد واضح ہوجانے پر کھلا اعلان کیا جاتا کہ جہاں تک ان عبارتوں کا تعلق ہے مراد اور منشاء واضح ہوجانے کے بعد ہمیں مراد پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہا؛ اس لیے ہم تکفیر سے رجوع کرتے ہیں؛ زیادہ سے زیادہ عنوان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ اس مراد کے لیے یہ عنوان ہمارے نزدیک غلط اختیار کیا گیا ہے۔

سوجن حضرات نے عنوان بھی بدل دیا ان کے بارہ میں تو صاف دلی سے کہا جاتا کہ ان کے بارہ میں کوئی خلجان نہیں رہا؛ اس لیے اس مسئلہ کی حد تک اختلاف ختم ہوگیا۔

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے اپنی جو مراد واضح فرمائی بریلوی حضرات ہی کے عقیدہ کے مطابق تھی، اس اتفاقِ مقصد کو تو کم سے کم سراہا جاتا اور کسی خلش کی بناء پر اس کا اظہار اطمینان کی گنجائش نہ تھی تو کم سے کم سکوت ہی اختیار کیا جاتا اور سوچا جاتا کہ جو بات ان حضرات نے ایضاحِ مراد کرتے ہوئے کہی ہے وہی جب ہمارا بھی عقیدہ ہے تو ہم کم سے کم خود اپنے عقیدہ کے خلاف زبان کیسے کھولیں؟ یا پھر اس اعلان کا ہلکے سے ہلکا درجہ اور وسعتِ صدر کا ایک اچھا مقام یہ تھا کہ ہمارا اور مسائل میں حضراتِ دیوبند سے اختلاف قائم ہے؛ مگر ان عبارتوں کی مراد کے بارے میں اب کوئی اشکال نہیں رہا؛ جب کہ ان کی مراد وہی واضح ہوئی جو خود ہمارا بھی عقیدہ ہے یا اس عقیدہ سے قریب تر ہے کہ یہ خود انھیں کے مسلک کی تائید ہوتی؛ لیکن نہ تو بیانِ مراد کو وقعت دی گئی، جب کہ متکلم کے کسی بھی کلام کا مطلب عقلاً ونقلاً وہی لیا جاتا ہے جس کی متکلم خود صراحت کرے، نہ توافقِ مسلک ہی کی کوئی قدر کی گئی جس میں خود ان کی بھی تقویت تھی اور نہ ہی اس وحدتِ مقصد سے وحدتِ ملت ہی کو کوئی اہمیت دی گئی؛ جب کہ اسلافِ ملت اور اتحاد ذات البین کے بارہ میں بکثرت شرعی تاکیدیں وارد شدہ ہیں۔ اور افتراق وتفرقہ کو حالقہ فرما کر اس سے ڈرایا گیا ہے؛ اس لیے اس کے سوا کوئی اور کیا سمجھے کہ ان حضرات کے یہاں اختلاف برائے اختلاف اور اس کی تجدید وتاسیس ہی پیش نظر ہے اور جان بوجھ کر ایک جماعت سے لوگوں کو بدظن بنا کر اسے بدنام اور رسوا کرنا یا آزار پہنچانا ہی مطمحِ نظر ہے۔ اس سے اگر قلوب دکھ اور درد محسوس کریں تو کر سکتے ہیں، لیکن ہم لوگ اگر یہ دکھ درد محسوس

کریں تو اپنی کسی بدنامی یا رسوائی کے خیال سے نہیں۔ہم چیز ہی کیا ہیں کہ اپنی کسی رسوائی یا بدنامی کا غم لے کر بیٹھیں اور خواہ مخواہ مدعی بنیں۔مگر یہ خدا ساز واقعہ ہے کہ ان کی کوئی بدنامی اور رسوائی واقع بھی نہیں ہوئی اور نہ ہی انھیں کوئی آزار پہنچا؛ کیوں کہ اس پون صدی کے عرصہ میں جب سے یہ تکفیر و توہین کا بازار گرم ہوا، دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ یہ حضرات اربابِ عبارات "لا یضرّھم من خالفھم ولا من خاذلھم" کے صحیح مصداق ثابت ہوتے رہے اور ہوا یہ کہ انھیں کا تعلیمی سلسلہ عالم گیر ہوا اور مشرق و مغرب کے لوگوں نے ان سے کتاب وسنت کی سندیں لینے میں اپنی عزت محسوس کی۔انھوں نے ہی تبلیغی نظام قائم کیے اور یورپ، ایشیا، افریقہ اور امریکہ تک ان کی تبلیغی صدائیں پہنچیں؛ جن سے ہزاراں ہزار افراد دیندار اور تہجد گزار بنے۔انھیں سے طریق اور بیع وارشاد کے سلسلے ہندو بیرونِ ہند میں ہمہ گیر طریق پر پھیلے ؛جن سے ہزاروں کے نفوس کی اصلاح ہوئی اور لوگ چشتیت، قادریت، سہروردیت، اور نقشبندیت سے آشنا ہوئے۔نہ انھوں نے کسی کو کافر بنا کر اپنا مقام پیدا کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی کی تخریب پر اپنی تعمیر کا سنگِ بنیاد رکھا؛اس لیے بدنامی کا حرف ان کے حق میں اپنا کوئی معنی بھی پیدا نہ کرسکا، بلکہ ہر طرف حق تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل وکرم سے نیک نام ہی رکھا اور اس نیک نامی کو مختلف دینی راستوں سے عالم گیر بنا دیا۔

اس لیے ان تکفیروں اور زبردستی کے اتہامات سے نہ وہ اس لیے دل گیر ہیں کہ وہ رسوا ہوگئے، نہ اس لیے کہ انھیں کوئی آزار پہنچا؛ بلکہ یہ رنج وقلق مسلمانوں کے تفرقہ اور شیرازہ بکھر جانے اور بہت سے مسلم عوام اور سادہ لوح افراد کے صحیح علم اور سلفِ صالحین کے مسلک سے محروم کردیئے جانے پر ہے، جو درحقیقت پوری قوم کا ضرر ہے، نیز اس بناء پر ہے کہ ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کم وبیش مخلصین بھی ہوتے ہیں؛لیکن افتراق کی نحوست سے ہر ایک کی خوبی سے دوسرا محروم ہے۔ساتھ ہی اس بناء پر بھی ہے کہ بریلوی ہوں یا دیوبندی ؛تمام بنیادی باتوں: اقرارِ توحید، عظمتِ نبوت، عظمتِ صحابہ، حنفیت، طریقت، سلاسل طریقت، اولیاء اللہ سے انسلاک، سلسلۂ بیعت وارشاد، عقیدت ومحبتِ اہل

اللہ وغیرہ میں اشتراک کے باوجود اس قسم کے مزعومہ؛ بلکہ بتکلف آوردہ جزئیات کے ذریعہ افتراق بلکہ عناد آمیز فرقت اور بکرات ومرات اس کا احیاء وتجدید جہاں پوری قوم کا ضعف اور آزار ہے، وہیں وہ اعداء اللہ اور اعداءِ دین کے لیے سببِ تضحیک واستہزاء بھی بنا ہوا ہے، جس سے پوری قوم کے وقار اور عزت پر اثر پڑ رہا ہے۔

آج عوامی مناظروں کے چیلنج تو دیے جاتے ہیں اور دوسرے لفظوں میں عوام کو خواص پر مسلط تو کیا جارہا ہے، جس سے عوامی سطح پر فتنہ ابھرتا اور نکھرتا جارہا ہے اور نتیجہ میں عوام دین سے بیزار ہی ہوتے چلے جارہے ہیں، جنھیں اہل دین کے خلاف اشتعال دلا کر اکسایا جاتا ہے؛ لیکن یہ نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے تھا کہ قوم کی مجموعی عزت وآبرو کی خاطر چند سنجیدہ علماء ان لوگوں کو بلائیں جن پر اعتراضات ہیں اور خود انھیں سے پوچھیں کہ وہ کس حد تک ان سے الگ ہیں اور کس حد تک شریکِ عقیدہ وعمل ہیں۔ مشترک حصے کو ''اساس'' قرار دے کر بقیہ کے لیے اگر اس میں کسی حجت کے سبب توافق نہ ہوسکے، حدود متعین کی جائیں جس سے کم سے کم منافرتِ باہمی اور تعصّبات کی آگ تو دھیمی پڑ جائے اور عوامی سطح کی اشتعال انگیزیاں کسی حد تک اعتدال پر آجائیں اور ایک دوسرے سے قریب ہوکر کسی باحجت گفت وشنید کا راستہ پڑ جائے۔ تجربہ ہے کہ بہت سی بدظنیاں اور غلط فہمیاں جو بُعد سے پیدا ہوتی ہیں، قرب سے خود بخود ختم ہوجاتی ہیں۔ اور وہ منافرت جاتی رہتی ہے جو افہام وتفہیم اور خیر جوئی سے ہمیشہ مانع رہی ہے، پھر بھی اگر اختلاف باقی رہتا ہے تو وہ حجت کا ہوتا ہے جو مضر نہیں۔

یہ چند سطریں ان مسائل کی نوعیت کے پیش نظر بے ساختہ زیر قلم آگئیں جو ممکن ہے کہ رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے اس مضمون سے جوڑ نہ کھائیں۔ تاہم اس مضمون میں بسلسلۂ مسائل جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا مقصد بیانِ مسلک کے ساتھ ان اکابر مرحومین کی طرف سے دفاع ہے جو بے وجہ مطعون اور متہم کیے گئے ہیں۔ اور ان کی عبارتوں میں انھیں مجروح کرنے کے لیے ان کے خلاف مرادِ مطلب ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے، گویا ان کی مقدس علمی و عملی زندگیوں میں حرف زنی کے لیے جب کچھ نہ مل سکا، تو ان کی چند عبارتیں سامنے رکھ لی

گئیں ہیں اوران میں اپنا مفروضہ مطلب ڈال کرزبردستی ان کے سرتھوپا گیا ہے، جس سے وہ براءت کا بار باراعلان کرچکے ہیں؛ اس لیے وہ مظلوم ہیں اوران کی مدافعت قطعِ نظراوروجوہِ خیر کے مظلوم کی حمایت اورظلم کی مدافعت ہے۔

اس مضمون کے مقدمہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ بیانِ واقعہ اورپس منظر کے اظہار کے طور پر ہے کہ اس کے بغیران مسائل کے نشو ونما کی تاریخ سامنے نہیں آسکتی تھی اوررسائل کی تشفی بھی نہیں ہوسکتی تھی، جس نے سوال ہی تاریخی انداز پر کیا تھا۔

مضمون کے خاتمہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ دل سوزی اوراظہارِ درد کے طور پر عرض کیا گیا ہے، نہ طعن وتشنیع مقصود ہے نہ الجھنا یا الجھانا، اور نہ ہی مناظرانہ بحثوں یا ''ردو قدح'' کا سلسلہ چھیڑنا پیش نظر ہے، بلکہ نتیجۂ بحث کے ساتھ صرف اپنے دل کی دردمندانہ آواز سنانا ہے۔ واللّٰہ علی ما نقول وکیل"

اس پربھی اگرکوئی لفظ یا عنوان حضراتِ بریلی یا ان کے بزرگوں کے خلافِ شان آ گیا ہوتو میں بصدق دل اس کی معافی چاہتا ہوں، نیت میں اس طرح کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔ وباللّٰہ التوفیق

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند